

دلاویز اور دنواز شخصیت

جہ کے تصور سے اہم ظلمت بھرے دور میں دلہ کوڈھا رکھ اور قلب کو تقویت عموماً ہوتی تھی

حضرت علامہ مولانا محمد تقی عثمانی، جسٹس دفاعی شرعی عدالت پاکستان

وہ مقبولیت عام رکھتے تھے کہ پہلے درپہ کئی انتخابات میں آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے، اور اپنے مقابل بڑے بڑے سیاسی پہلوؤں کو زیر کیا۔ ایک مرتبہ تو صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ بھی آپ کے مقابلے میں ناکام ہوا۔

اسمبلی میں آپ کی جدوجہد کا محور بھی صرف دین اور خالصتہ دینو رہا، آپ معاشریات کے ان کاموں میں کبھی نہیں الجھے جو انجی کوشش کے اس بنیادی نقطے سے آپ کو ہٹا سکیں، حتیٰ کہ اس بندے نے اسمبلی میں ہمیشہ حق کی آواز بلند کی، اور ہمیشہ حق کا ہاتھ دیا اور محض سیاسی بنیاد پر مبنی ہوئی ڈھڑے بند یوں میں اپنے آپ کو ملوث نہیں ہونے دیا اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت ان چند گنی چنی شخصیتوں میں سے تھی جن کی مقبولیت اور جن کا حلقہ اثر حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تفریق سے نا آشنا تھا۔

ملک میں جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس کا تعلق دین سے ہو، حضرت مولانا نے اسمبلی میں اس سے متعلق خالص دینی نقطہ نظر سے اپنا موقف واضح کیا، حضرت نے اسمبلی میں جو تقریریں فرمائیں، یا جو تحریکیں پیش کیں، ان میں سے کچھ کا ریکارڈ آپ کے فاضل صاحبزادے جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک کتاب میں مرتب فرما دیا ہے جو ”توقی اسمبلی میں اسلام کے معرکہ“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

حضرت ہمارے ملک میں مسلک علماء دیوبند کے علمبرداروں میں سے تھے، اور اپنے عقیدہ و عمل میں پورا رسوخ رکھتے تھے، لیکن اس رسوخ اور تعلق کے باوجود آپ نے کبھی اپنے آپ کو فرقہ واریت میں ملوث نہیں ہونے دیا۔ آپ نے ہر اختلاف کو اختلاف کی حدود میں رکھنے کا وہ معتدل طریقہ اپنایا جو درحقیقت اکابر علماء دیوبند کا بنیادی وصف ہے۔ اپنے مسلک و مشرب کو مضبوطی سے تھامنے کے ساتھ ساتھ دین کے بلند اور مشترک مقاصد کے لیے دوسرے مکاتب فکر سے اشتراک عمل بھی جاری رہا، اور کوئی مخالفت سے مخالفت شخص بھی آپ پر فرقہ وارانہ تعصب کی تمت نہیں لگا سکا۔

ابھی شہید مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کا حادثہ وفات تازہ ما، اور ان کے بارے میں تفصیلی تاثرات لکھ کر فارغ ہوا تھا، اور وہ یہ کتابت تھے کہ ایک اور جانکاہ حادثے کی خبر نے ہلکان کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ دہانی و تتم والاعلم حتیٰ انہ کوڑھ خشک، اس ملک کی ان گزشتہ شخصیتوں میں سے تھے جن کے تصور سے اس ظلمت بھرے دور میں دل کوڈھا رکھ اور قلب کو تقویت عموماً ہوتی تھی، اور جن کے خیال سے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا۔ آج ہم اس دلاویز اور دنواز شخصیت اور ان کی برکات سے بھی محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی ذات والا صفات یاد گار سلف تھی، علم و فضل اور طہارت و تقویٰ کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود سادگی اور تواضع و انکسار کا ایسا پیکر مجسم تھے کہ عجب و پندار کے اس دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کا پر نور چہرہ دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، ان کی صحبت میں رہ کر قلب میں گداز اور آخرت کی نگرید پیدا ہوتی تھی، اور عموماً ہوتا تھا کہ ہم سلف صالحین کے کسی جرگ کی صحبت سے فیضیاب ہیں۔

طبعی طور پر حضرت موصوف مدرس و تدریس اور علمی و تبلیغی مشاغل کے بزرگ تھے، سیاست اور ایجنٹ کے نہیں، لیکن ایک دردمند صاحب دل کی طرح ملک و ملت کے نگر اور پاکستان میں نفاذ شریعت کی لگن بھی ان کی حیات طیبہ کا جزو لا ینفک بن گئی تھی، چنانچہ اس لگن کی بنا پر انہوں نے اپنا گوشہ عزت چھوڑ کر ملک کے سیاسی معاملات میں بھی فعال حصہ لیا۔ لیکن یہ سب کچھ دین اور صرف دین کے لیے تھا۔

حضرت ایک طویل عرصے تک قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ آپ آج کل کی انتخابی سیاست کے داؤں بیچ سے کوسوں دور تھے، اور دوط حاصل کرنے کے لیے جو ترکیبیں آج کی انتخابی سیاست کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں، ان سے بھی آپ کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن محض اپنے اخلاص و لہیت اور علم و تقویٰ کی بنا پر آپ اپنے حلقہ انتخاب میں

کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ پہلے پہل احقر کو ان کی زیارت کا موقع ۱۹۵۵ء میں ملا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے ملک میں اسلامی دستور کے لیے جدوجہد کرنے کی خاطر جمعیتہ علماء اسلام کو منظم کرنے کے لیے کراچی سے پشاور تک کا طوفانی دورہ کیا، اس دورے میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد متین خطیب رحمۃ اللہ علیہ بھی سٹرک سٹے، برادر محترم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور احقر بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ اس موقع پر اکوڑہ خٹک میں قیام حضرت مولانا کے مدرسے میں ہوا، وہیں پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی، اور پہلی ہی زیارت میں دل پر یہ تاثر قائم ہوا کہ گویا دنیا ہی میں کسی فرشتے کی زیارت ہو رہی ہے۔ سرخ و سنید نورانی چہرہ، چہرے پر ہلکی مصیبت گفتگو سے پھول جھڑکتے ہوئے، انداز و ادائیگی وہ نورانیت کہ جیسے اس دنیا سے دوں کی الائنشوں سے دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ یہ حسین اور منور چہرہ اسی وقت سے دل پر نقش ہو گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بارہا حضرت کی زیارت و صحبت کے مواقع نصیب فرمائے، اور ہر بار یہ نقش ہوتا چلا گیا۔ حضرت کے لائق و فاضل فرزند جناب مولانا سمیع الحق صاحب سے احقر کے بے تکلف برادرانہ تعلق کی وجہ سے حضرت اس ناکارہ پر بھی ایسی ہی شفقت فرماتے جیسے اولاد پر ہوتی ہے، اور ان کے سایہ شفقت میں پہنچ کر دل کا ایک عجیب سکینت ہوتی تھی۔

علم و فضل کے دریا جذب کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی ایسی آواہ ہمارے بزرگوں کا طرہ امتیاز رہی ہے، اور یہ وصف حضرت مولانا میں اس درجہ زیادہ تھا کہ بعض اوقات حیرت ہو جاتی تھی، اور مخاطب شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔

غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے، جبٹو صاحب مرحوم کا دور حکومت تھا، اور اسمبلی میں ۱۹۶۲ء والے دستور کا مسودہ زیر بحث تھا، حضرت مولانا قومی اسمبلی کے رکن تھے، میرے پاس برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب کا خط آیا کہ حضرت مولانا شرعی نقطہ نظر سے مسودہ دستور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، تاکہ اس میں ترمیمات پیش کر سکیں حضرت کا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر تم بھی آجاؤ تو یہ کام مل جل کر کر لیا جائے احقر کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرت کو واقعہ اس کام کے لیے میری ضرورت ہے، بلکہ زیادہ خیال یہ تھا کہ یہ مولانا سمیع الحق صاحب کے قریب بہر ملاقات "پیدا کرنے کا ایک لطیف جیلہ ایجاد کیا ہے، لیکن حضرت کی شفقت سے بہرہ ور ہونے اور ان کے کسی کارنیر میں برائے نام ہی سہی حصہ لگانے کو سعادت سمجھ کر احقر چلا گیا۔

میں جب اسلام آباد پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، برادر محترم مولانا سمیع الحق کے ہمراہ میں اسمبلی کی گیلری میں چلا گیا جہاں سے اسمبلی کی کارروائی دیکھی جاتی ہے۔ حضرت نے کچھ دیر بعد نیچے

اور بھی وجہ ہے کہ آپ کی ذات ملک کے تمام دینی حلقوں کی نظر اپنے اخلاص و تقویٰ کی بنا پر ایک محترم مقام رکھتی تھی، اور آپ کی سمیت پر مختلف مکاتب فکر اور متنازعہ گروہ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اپنے حال ہی میں "شریعت بل" منظور کرانے کی جدوجہد کے لیے ملک بھر کے مختلف خیال عناصر کا جو "متحدہ شریعت محاذ" بنایا گیا، اس کا سربراہ آپ ہی کو چننا گیا۔ اب ملک کے علماء میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جس پر مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس طرح بے کھٹکے متفق ہو جائیں۔ حضرت علمی میدان میں، جو آپ کا اصل میدان تھا، دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے علم و فضل کے امین تھے۔ آپ نے اکوڑہ خٹک جیسے دور افتادہ قصبے میں "دارالعلوم حقانیہ" کی بنیاد ڈالی جو وقتہ رفتہ ملک کے ممتاز ترین دینی مدارس میں اعلیٰ مقام کا حامل بنا، آپ نے اس دارالعلوم کو خونِ جگر ہلا کر بردوار چڑھایا، اور آخر وقت تک اس میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ اسمبلی کی گنجینہ مصروفیات کے مابین درمیان بھی تدریس حدیث کا یہ مبارک مشغلہ موقوف نہیں ہوا۔ آپ اکوڑہ خٹک سے اسلام آباد تک کا طویل فاصلہ کا رہیں، بلکہ بسا اوقات بسوں اور دلیکٹوں میں طے کر کے اپنے دونوں فرائض بحسن و خوبی نبھاتے رہے، اور اس کام کے لیے بڑھچکے کے دور میں جو ششیں آپ نے اٹھائیں، وہ ہم جیسے جوانوں کے لیے حیرت انگیز تھیں۔

آپ کا دورہ حدیث کا درس ملک کے ممتاز ترین درسوں میں سے تھا جس میں ہر سال طلبہ کی تعداد سینکڑوں میں ہو کر تھی، چنانچہ آپ کے شاگردوں کا سلسلہ چار دہائیوں کا عالم میں پھیلا ہوا ہے، آپ کے دربارِ تہذیب کی تقریر کا ایک حصہ "حقانیہ السنہ" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس سے آپ کے درس کی عظمت، ہمہ گیری اور معیار تحقیق کا اندازہ ہو سکتا ہے خدا کرے کہ یہ تقریر مکمل طور پر شائع ہو جائے تو معلومات کا بیش بہا خزانہ ثابت ہوگی۔

آپ آخر وقت تک اکوڑہ خٹک کے ایک اندرونی محلے میں ایک نیم مہنت سے مکان میں مقیم رہے، اور اسی کے متصل ایک مسجد میں (جہاں اجلا میں دارالعلوم حقانیہ کا آغاز ہوا تھا) جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ آپ کا یہ خطبہ جمعہ بھی انتہائی مفید اور مقبول تھا، اس کا خلاصہ ماہنامہ "الحق" میں ہر مہینے شائع ہوتا رہا ہے۔

جمادِ افغانستان شروع ہوا تو ملک کے تمام دینی مدارس میں سے دارالعلوم حقانیہ غالباً وہ پہلا مدرسہ تھا جس کے فضلا نے حضرت مولانا کے زیر ہدایت اس جماد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

راقم الحروف کے ساتھ حضرت مولانا کا مشفقانہ تعلق لفظ و بیان سے ماورا تھا۔ ان کی خدمت و صحبت میں پہنچ کر شفقتِ پدری

تعالیٰ انہیں اپنی توفیق خاص سے نوازیں، اور ان کے کندھوں پر جو گراں بار ذمہ داریاں آگئی ہیں، ان سے اپنی رضا کے کاملہ کے مطابق عمدہ برآہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرتؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کی خواہش تھی، لیکن اطلاع ایسے وقت ملی کہ میں یہ سعادت حاصل نہ کر سکا۔ لیکن جو حضرات اس نماز جنازہ میں شریک ہوئے، ان کا بیان ہے کہ کسی کی نماز جنازہ میں علماء کا اتنا بڑا اجتماع پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

الحمد للہ، دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ نے اسباق کی تعطیل کر کے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ حضرتؒ کی روح پر پرفورج پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ تارکین سے بھی درخواست ہے کہ وہ حضرتؒ کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کو خود اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیں۔

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
فضل حق تیری محمد پر رحمت افشانی کرے

محمد تقی عثمانی

جانے والے! تو مسیحا بن کے آجا ایک بار

چند اشعار بیاو مرحوم و مغفور قائد شریعت شیخ اکبرؒ

مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

جناب عبدالغنی چشتی، شورکوٹ

تیری یادوں کے سناے لب جئے جاتا ہوں میں
کھا رہا ہوں غم پر غم آنسو پئے جاتا ہوں میں
تیری الفت ہے رگ و پے میں سما کر رہ گئی
مجھ کو اپنا ہوش کیا ہو؟ کیا کئے جاتا ہوں میں
اشک بار آنکھوں سے میری خون کے دیاروں میں
دل کے زخموں کو محبت سے سیئے جاتا ہوں میں
جانے والے! تو مسیحا بن کے آجا ایک بار
برقدم پر نام تیسرا ہی لے جاتا ہوں میں
چشتی! تیرا رہنا تھا اور غم سن تھا ترا
معرفت کے جام لے لے کر پئے جاتا ہوں میں

گیری کی طرف نگاہ اٹھائی، اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ احقر کو پیٹھ دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل آئے، اور ہمیں بھی باہر آنے کا اشارہ فرمایا۔ ہم باہر پہنچے تو حضرتؒ نے گلے لگا لیا، اور احقر کو جو ان کی اولاد اور شاگردوں کے برابر آنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا تھا، خطاب کرتے ہوئے بے ساختہ جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ ”حضرت آپ نے بڑی شفقت فرمائی“۔

میں حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا الفاظ کس سے کہہ رہے ہیں؟ لیکن وہاں کسی تصنع یا تسکلف کا نام ہی نہ تھا، وہ ایسے انماز سے بات کر رہے تھے جیسے میں نے اللہ کی خدمت میں حاضری دے کر ان کی کوئی ضرورت پوری کی ہے۔ اللہ اکبر! تواضع کا یہ مقام خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

الحمد للہ، اس کے بعد بھی بار بار حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور ہمیشہ ”میں تواضع اعلیٰ“ کا نظارہ سامنے آیا۔

اب سالہا سال سے میں جب کبھی کسی اجتماعی دینی کام کا تصور کرتا تو سب سے پہلے نظر حضرت مولانا کی طرف جاتی تھی، عرضہ دراز سے حضرت علیل چلے آتے تھے اور ضعف و علالت کے باوجود اپنی غیر معمولی ہمت اور قوتِ ایمانی سے کام لے کر اپنے آپ کو متحرک اور فعال بنائے رکھتے تھے، لیکن محنت کے انحطاط کو دیکھتے ہوئے یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ یہ ٹھٹھانا ہوا چراغ کسی بھی وقت دارِ غمناقت سے بج سکتا ہے۔ بالآخر یہ خطرہ اس ماہ حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ حضرت اس دنیا کے الجھڑوں سے فراغت پا کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا کر ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واهلا خیرا من اہلہ۔ اللہمہ لا تحزننا اجرہ ولا تفتتنا بعده۔

حضرت مولاناؒ اپنی زندگی علم و عمل کے ہر میدان میں قابلِ رشک طریقے سے گزار گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ ان کی نبی زندگی راحت و اطمینان کی زندگی ہوگی، لیکن ان جیسی شخصیات کے اٹھنے سے ہم ہمدانگان کے لیے جو مصیب خلاء پیدا ہوتا ہے، وہ بڑی مشکل سے پُر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کے تربیت یافتگان بشمار ہیں، خاص طور پر ان کے فاضل فرزند برادرِ محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی صحبت و تربیت سے سرفراز فرمایا ہے، وہ عالمِ شور میں آنے کے بعد ان کی جدوجہد کے ہر مرحلے میں ان کے دست و بازو بنے رہے ہیں انشاء اللہ وہ ان کی زندگی کے مشن کو جاری و ساری رکھیں گے۔ اللہ